عرب، جمہوریت اور شہری معاشرہ

لیتھ کیوبا*

ترجمہ: محمد سعید

اپنی تاریخ، ثقافت اور دولت میں فرق کے باوجود عرب ممالک قابل ذکر حد تک ایک جیسے سیاسی تجربے سے گزرے ہیں۔ محمد طالبی اور عمانویل سیوان** بیان کرتے ہیں کہ ان پر ایسی مطلق العنان حکومتیں برسر اقتدار رہی ہیں جنہوں نے اپنے دساتیر کی پابندی زبانی جمع خرچ کی حد تک کی۔ شہری اور انسانی حقوق کو پامال کیا۔ سیاسی آزادیوں کے عمل کے خلاف مزاحمت کی اور عوامی احتساب سے بالاتر رہے۔ ان سربراہانِ مملکت نے اگر کبھی الیکشن کروائے بھی تو انتخابات کے نتائج نے بھی انہیں اقتدار سے محروم نہیں کیا۔ بدعنوان اور ناپسندیدہ حکومتوں کی مایوس کن کارکردگی کے باوجود یہ حکمران اقتدار پر براجمان رہے بلکہ اکثر تمام عمر برسر اقتدار رہے۔ انہوں نے کسی احتساب و توازن کے بغیر حکمرانی کی ہے۔ تزویراتی اہمیت کے فیصلے رائے شماری اور مشاورت کے بغیر کیے۔ اپنی مرضی سے وزراء کو برطرف کر دیا اور قومی اثاثوں سے اپنی جیبیں بھریں۔

حیرت کی بات ہے کہ یہ حکومتیں مستحکم ہیں۔ انہیں ضروری سماجی خدمات مہیا کرنے میں کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان میں اتنی قابلیت ہے کہ وہ داخلی طور پر کسی سنجیدہ خطرے کا سامنا کیے بغیر بدلتے ہوئے سیاسی ماحول سے مطابقت پیدا کر لیتی ہیں۔ مطلق العنان حکومتوں کی اٹھان، ان کے استحکام اور تسلسل نے عرب دنیا میں جمہوریت کے امکانات سے متعلق سنجیدہ سوالات پیدا کیے ہیں۔ یہ حکومتیں کتنی دیر تک قائم رہیں گی؟ کیا عرب ممالک میں جمہوریت پنپ سکتی ہے؟ کیا یہ عربوں کے سیاسی

* Laith Kubba, "The Awakening of Civil Society", *Journal of Democracy*, Vol. II, No. 3, July 2000, pp. 84-90.

** عمانویل سیوان کا مضمون، ''عرب ریاستیں اور جمہوریت تبدیلی — حقیقت یا سراب!'' گزشتہ شمارہ اپریل-جون ۲۰۰۱ء میں شائع ہو چکا ہے۔ (صفحہ ۳۳-۴۹)

کلچر سے ہم آہنگ ہے؟ کیا عرب مطلق العنانیت کو ترجیح دیتے ہیں؟ ان سوالات پر تحقیق کرتے ہوئے محمد طالبی اور عمانویل سیوان نے عصرِ حاضر کی عرب ریاستوں کی نوعیت اور اُن کی سیاست کا بغور جائزہ لیتے ہوئے خاصے مایوس کن نتائج اخذ کیے ہیں۔ اس تجزیہ کو متنازعہ بنائے بغیر میرا یقین ہے کہ انہوں نے شہری معاشرہ کو نظر انداز کرتے ہوئے، وسیع تر منظر کے اہم پہلو کو کھو دیا ہے۔ شہری معاشرہ نے عرب دنیا کے جمہوری امکانات کو زیادہ رجائیت پسندانہ اور امید افزاء بنیاد مہیا کی ہے۔ آج عرب دنیا کی سیاست میں ایک نیا دور ابھر رہا ہے، جس میں مرتعش شہری معاشرہ ریاست کو پسپائی اختیار کرنے پر مجبور کر دے گا۔

مایوسی اور مطلق العنانیت

دنیائے عرب میں جمہوریت کی جڑیں پچھلی صدی کی ابتداء میں جدید ریاست کے ارتقاء میں ملتی ہیں۔ عرب یورپ کی نو آبادیاتی طاقتوں کی مدد سے سلطنتِ عثمانیہ کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے اور انہیں آزادی مل گئی۔ نو آبادیاتی طاقتوں نے قبائلی سرداروں اور عمائدین کے ساتھ مل کر جمہوری اداروں کے ساتھ جدید ریاستوں کی بنیاد رکھی۔ ان نئی ریاستوں میں عربوں نے تاریخ میں پہلی دفعہ جمہوریت کا تجربہ کیا۔ تیس برس سے زائد عرصہ تک مصر، شام اور عراق میں رسمی جمہوریت نافذ رہی جس میں نائبین کا انتخاب ہوتا تھا، سرکاری افسران قوانین وضوابط کے تحت احتساب کا سامنا کرتے تھے، عدلیہ خود مختار تھی، پریس آزاد تھا اور عوام کو قانونی مساوات اور بنیادی شہری اور انسانی حقوق حاصل تھے۔

اس وقت سرگرم زندگی اور عوام کی شراکت کے حامل سیاسی نظام، قبائلی اور زرعی عرب معاشرہ کے لیے اجنبی تصورات تھے۔ شہری معاشرہ اور جمہوری روایات آہستہ آہستہ ابھریں۔ اس عمل میں عوام کی اکثریت کا بہت کم حصہ تھا جس کا رویہ ہمیشہ بیدار شہریوں کی بجائے ایک مجہول اور حریت فکر سے عاری رعایا کا سا رہا ہے۔ قبائلی سرداروں، مذہبی قائدین اور فوجی افسران کے مقابلہ میں شہری معاشرہ اور متوسط طبقہ کا حکومت پر اثر برائے نام تھا۔ حکومتیں دستوری اور قانونی طریقہ ہائے کار کی پابندی کرتی تھیں، لیکن وہ لوگوں کی ضروریات کا خیال نہیں رکھتی تھیں۔ سیاسی عمل تمام شہریوں کے لیے کھلا تھا، لیکن کم تر شرح خواندگی اور سماجی اور اقتصادی ترقی کی سست رفتار نے عوام کی اکثریت کو جمہوریت کے ثمرات سے محروم

رکھا جو کہ صرف ایک شہری مظہر تھا۔ اس نے بنیادی طور پر عمائدین کی خدمت کی اور دیہاتی عوام کو پیچھے چھوڑ دیا۔ سماجی خدمات کی دستیابی غیر منصفانہ تھی۔ اقتصادیات کی نشو ونما اتنی سست کہ امراء (جو اسی نظام کی حمایت کرتے تھے) اور غرباء (جو اس نظام سے باہر تھے) کے درمیان خلیج ختم نہ ہو سکی۔ عوام کے احساس محرومی کا اظہار اُن سیاسی کارکنوں نے کیا جو انقلابی تبدیلیوں کی وکالت سست جمہوری عمل کے متبادل کی حیثیت سے کرتے تھے۔ سیاسی جماعتیں جو یونیورسٹیوں اور بڑے بڑے شہروں میں متحرک اور نمایاں تھیں اور آواز اٹھاتی تھیں۔ انہوں نے فوج کو تیز تر اصلاحات کے نفاذ کے لیے آئینی حکومتوں کا تختہ الٹنے کی دعوت دی۔

دوسری عالمگیر جنگ کے بعد کے دور کے سیاسی موسم نے فوجی افسران کو اپنی حکومتوں کے خلاف اقدام کے لیے مزید جواز مہیا کر دیے۔ اسرائیل کے قیام نے قوم پرستی اور سیاسی انقلابیت کو فروغ دیا۔ مسابقت کا شکار بڑی طاقتوں نے فوجی انقلابات کے لیے فوجی افسران کی حوصلہ افزائی کی۔ نوزائیدہ عرب جمہوریتیں اتنی کمزور اور عوامی حمایت سے اتنی عاری تھیں کہ وہ فوجی مداخلت کا مقابلہ نہ کر سکیں۔ سیاسی جماعتوں کی مدد سے جرنیلوں نے پارلیمان توڑ دیے اور عوام نے کوئی احتجاج نہ کیا۔ مضبوط اقتدار کے عادی قبائلی معاشروں نے جمہوری نظام کی سست روی اور مسابقت کے حامل اقتدار کی بہت ناقدری کی۔ مصر، شام اور عراق میں مقبول عام فوجی انقلابات کے بعد اکثر دوسرے ممالک میں بھی اس طرح کی کوششیں کی گئیں۔ حتیٰ کہ اردن اور مراکش جیسے ممالک جو فوجی انقلابات سے محفوظ رہے ان میں بھی سماجی اور سیاسی آزادیوں کو معطل کر دیا گیا اور آمرانہ نظام حکومت مستحکم ہو گیا۔ جبر اور بے پناہ ریاستی طاقت عرب سیاست کی علامات بن گئیں۔ ووٹ اور قانونی طریقہ کار کی بجائے ریاست کو طاقت اور سازش سے چلایا جانے لگا۔

مصر میں ۱۹۵۲ء کے فوجی انقلاب کے بعد جمال عبدالناصر نے اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ پروپیگنڈہ، سرکاری سرپرستی میں قائم ہونے والی سیاسی جماعت، حکومتی سرپرستی میں قائم ہونے والی عوامی اسمبلی، خفیہ پولیس اور اس طرح کے دیگر ہتھکنڈوں سے عوام کو دبا دیا گیا۔ ناصر کی مقبولیت نے پوری عرب دنیا میں فوجی جرنیلوں کو اس کی پیروی کرنے پر اکسایا۔ عراق اور شام میں حکمران بعث پارٹی قبائلی تعلق کے ذریعے

ریاست اور معاشرہ دونوں کو زنجیریں پہنانے میں کامیاب ہوگئی۔ ان ممالک میں اقتدار فوجی جرنیلوں، قبائلی سرداروں اور عمائدین کے گٹھ جوڑ سے بننے والے اتحاد کے پاس ہے۔ آمریت اور تشدد کے استعمال کا پیمانہ خطرہ کی نوعیت کے مطابق ہوتا ہے۔ ریاست کو جتنے بڑے خطرہ کا سامنا ہوتا ہے اتنی ہی زیادہ وہ متشدد اور مطلق العنان ہو جاتی ہے۔

پانچ عشروں سے عرب دُنیا میں ریاست نے سیاسی، سماجی اور اقتصادی اور دیگر تمام پہلوؤں سے عوامی زندگی کو اپنے شکنجے میں جکڑ رکھا ہے۔ مگر کسی بھی نوعیت کی مخالفت کو قومی سلامتی کے لیے خطرہ قرار دے کر بے رحمی سے کچل دیتے ہیں۔ تحفظ اور سلامتی کے ادارے ہر طرح کے سیاسی کارکنوں کو اذیتیں دیتے ہیں جن میں قوم پرست، اسلام پسند اور بائیں بازو والے سبھی لوگ شامل ہیں۔ ظلم کا شکار ہونے والے تمام لوگ نہ تو دہشت گرد تھے اور نہ ہی اقتدار کے بھوکے، بلکہ بہت سے لوگ غیر سیاسی تھے۔ پھر بھی ریاستی پالیسیوں کی مخالفت یا اختلاف کی وجہ سے انہیں خطرہ تصور کیا گیا۔ عوام کی اکثریت کی طرف سے خاموشی اور لاتعلقی نے حکومتی تشدد کو آسان بنا دیا۔ مطلق العنان حکومتوں کے تشدد سے عوام کے اغماض اور چشم پوشی کا واحد سبب صرف حکومت کی زبردست ظالمانہ جوابی کارروائیاں ہی نہیں بلکہ عرب آمروں نے بڑی مہارت کے ساتھ اپنے مفاد میں عوام کی نفسیات کا بھی استحصال کیا ہے۔

اول عوام نے مضبوط قائدین کو ترجیح دی جو اُس کی ضروریات پوری کرنے، استحکام و تحفظ مہیا کرنے اور سماجی اور اقتصادی ترقی کے لیے اپنے فرائض کی انجام دہی کے لیے مستعدی اور پھرتی سے قدم اٹھا سکیں۔ دوم سیاسی عمل سے عوامی توقعات کی مایوسی نے لاتعلقی اور تلخی کو جنم دیا۔ شروع میں عوام نے افواج کا خیر مقدم کیا جنہوں نے ملوکیت کے خلاف عوامی بغاوت کی قیادت کی اور تبدیلی کا وعدہ کیا لیکن جب وعدے پورے نہ ہو سکے تو زندگی مزید تلخ ہوگئی۔ فوجی حکومتیں اقتصادیات کو مؤثر طور پر چلانے میں ناکام رہیں۔ اپنے معاشروں کی آرزوں کی تکمیل نہ کر سکیں۔ مقبولِ عام سیاسی جماعتیں جنہوں نے سیاسی عمل میں اشتراک کو وسیع تر کرنے کے لیے فوج کے ساتھ مل کر کام کیا تھا، انجام کار عوامی نمائندگی کے بغیر پولیس اسٹیٹ کو جنم دینے کا سبب بنیں۔ اکثر حزب اختلاف بھی غیر جمہوری ہوتی جس کا مقصد آمرانہ حکومت کی پالیسیاں اور طرز حکمرانی کو تبدیل کرنے کی بجائے حکمران تبدیل کرنا ہوتا۔ سوم، ایسا معلوم ہوتا

ہے کہ عوام کو شہری اور سیاسی آزادیوں سے زیادہ سلامتی اور سیاسی استحکام عزیز تھا۔ انہیں خوف تھا کہ اصلاحات کا مطالبہ بہتر گورنمنٹ کی بجائے استحکام کو برباد کر دے گا۔ آمریت عوام کے وسیع ترحصے پر اثر و نفوذ رکھتی تھی کیونکہ اس سے کم از کم استحکام، تحفظ اور تسلسل کی ضمانت تو ملتی تھی۔

تبدیلی اور اصلاحات

آج کل عرب ممالک میں ایک تبدیلی رونما ہو رہی ہے جس نے پچھلی کئی دہائیوں سے جاری مطلق العنانیت کے لیے خطرہ پیدا کر دیا ہے۔ اگرچہ یہ خطہ مستحکم ہے لیکن تبدیلی کے لیے وسیع پیمانہ پر پیش بندی ہو رہی ہے اور اُن مسائل پر عوام میں وسیع پیمانہ پر مباحثہ بڑھتا چلا جا رہا ہے جو کبھی شجرِ ممنوعہ (taboo) قرار دیے جاتے تھے۔ انسانی اور شہری حقوق کی خلاف ورزیوں کی اشاعت ہو رہی ہے۔ اقلیتوں کے حقوق اصلاحات پر مباحثہ، شفافیت کے نفاذ اور بدعنوانی کے خلاف اقدام کے لیے قائدین کے دعوے وغیرہ وغیرہ۔ یہ تبدیلی خبروں میں ہر جگہ نظر آ رہی ہے۔ عرب ابلاغ خصوصاً لندن سے شائع ہونے والے عربی جرائد ـــــ الحیات، الشروق الاوسط، الزمان اور العرب ـــــ میں بہت سے جاندار مضامین چھپ رہے ہیں۔ قطر کے الجزیرہ سیٹلائٹ ٹی وی چینلز میں ہونے والے کھلے عام مباحثوں کی مقبولیت سے بھی یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔ الجزیرہ کے مباحثوں نے عرب دنیا کے دوسرے سیٹلائٹ چینلز میں بھی اسی طرح کے مباحثوں کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ ان مذاکروں کے اثرات عرب حکومتوں میں اتنے وسیع پیمانے پر محسوس کیے گئے ہیں کہ بعض اوقات انہوں نے باقاعدہ احتجاج کیے ہیں اور تعلقات منقطع کرنے کی دھمکیاں بھی دی ہیں۔

تبدیلی کی سست رفتار عرب ممالک میں غیر حکومتی اداروں (NGOs) کو پابند کرنے والے قوانین، تنظیموں اور اخبارات کی بندش، انسانی حقوق کی پامالی، ہنگامی حالت کے نفاذ کے باوجود شہری معاشرہ کی سرگرمیوں اور آزاد خیال اصلاحات کے لیے مطالبات میں اضافہ ہوا ہے۔ حکومتوں کی طرف سے ان سرگرمیوں میں رکاوٹ پیدا کرنے اور ان کے اثر کو کم کرنے کی کوشش کے باوجود ہزاروں تنظیمیں اپنا کام جاری رکھے ہوئے ہیں۔ شہری تنظیمیں نئے راستے تلاش کر رہی ہیں اور قانون سازی کے موجودہ

طریقہ کار میں خامیوں کی نشان دہی کر رہی ہیں جس نے انہیں کام کرنے اور ترقی کرنے کے قابل بنا دیا ہے۔ مقامی باشندوں نے علاقائی اور بین الاقوامی نیٹ ورک سے رابطہ قائم کر لیا ہے۔ وسیع پیمانہ پر مطبوعات کی تیاری اور تقسیم کا کام جاری ہے۔ انسانی حقوق کو فروغ دیا گیا ہے۔ آزاد اور کھلے پریس کا مطالبہ کیا ہے۔ جمہوری قدروں کو فروغ دیا ہے اور حقوق نسواں کے لیے آواز اٹھائی ہے۔ این۔جی۔اوز کے سیلاب نے حکومتوں پر دباؤ ڈالا ہے کہ وہ قابلِ احتساب اور قانون کی حکمرانی کے پابند اور ایک اچھی حکومت کے اصولوں کے پاسدار ہیں۔

بعض مبصرین اصلاحات کی ان ابتدائی علامات کو بہت کم اہمیت دیتے ہیں۔ ریاست اور معاشرہ کے درمیان موجودہ کشمکش کی تعبیر آمریت کی طرف مراجعت سے کرتے ہیں۔ اگرچہ غیر نمائندہ اور احتساب سے بالاتر حکومتوں میں طاقت کا ایک جگہ پر ارتکاز ہوتا ہے لیکن شہری معاشرہ کی نشوونما اور یاست کی طرف سے اصلاحات کا وعدہ دو ایسی تبدیلیاں ہیں جو جمہوری مقاصد کو آگے بڑھائیں گی۔ اقتدار سے وہی آمر چمٹے ہوئے ہیں لیکن عالمی اور داخلی منظر ڈرامائی حد تک تبدیل ہو چکا ہے۔ جو ریاست کو شہری معاشرہ کے حق میں پسپائی پر مجبور کر دے گا۔ عظیم تر سیاسی اور اقتصادی آزادروی اور حکومتی اختیارات میں کمی کی طرف یہ تبدیلی کسی ایک عامل یا سادہ اسباب کا نتیجہ نہیں۔

پچھلی چند دہائیوں کے دوران سماجی اور تعلیمی محاذ پر ترقی ہوئی ہے۔ بلند شرحِ خواندگی، اعلیٰ شرح تعلیم، خواتین کے لیے برابر مواقع اور سیاسی نظام میں شراکت، عوامی انتظامیہ کی جدید بنیادوں پر استواری، تعلیم اور شہری سہولتوں کی دستیابی اور صنعتوں کے فروغ میں قابلِ قدر اضافہ نے قدامت پسند قبائلی معاشرہ کے ڈھانچہ کو تبدیل کر دیا ہے۔ آج کا عرب معاشرہ بنیادی طور پر ایک صدی پہلے کے قبائلی معاشرے سے یقیناً مختلف ہے۔ اب اُن میں اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں کی ایک فیصلہ کن تعداد (critical mass) موجود ہے۔ جو وکالت اور تنظیم سازی میں غیر معمولی تجزیہ رکھتی ہے اور اپنے خیالات کے کھلے عام اظہار کے لیے قابلیت اور ارادہ بھی۔

مزید برآں آمرانہ حکمرانی کا مؤثر ترین ذریعہ اطلاعات کے بہاؤ پر سرکاری کنٹرول اب عرب ریاستوں کے ہاتھوں سے نکلتا جا رہا ہے۔ تمام عرب ریاستوں میں اطلاعات کی وزارتوں کی ذمہ داری

اپنے اپنے ممالک میں ابلاغ پر قدغن لگانا اور ریاستی پراپیگنڈہ کے تسلسل کو یقینی بنانا ہے لیکن یہ وزارتیں ابلاغ عامہ کی جدید ٹیکنالوجی کے بے رحم اثرات کا مقابلہ نہیں کرسکتی ہیں۔ سوائے عراق کے یہ تمام ممالک خبر و نظر کی افقی ترسیل سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ اب اُن کی اطلاعات صرف عمودی ریاستی پراپیگنڈہ تک محدود نہیں ہیں۔

خارجی دنیا سے براہ راست آزادانہ ابلاغ نے عوام کے نقطہ ہائے نظر پر مختلف اثرات مرتب کیے ہیں۔ یعنی بعض تصورات کو استحکام بخشا ہے اور بعض کو تبدیل کر دیا ہے۔ اطلاعات کے تیز بہاؤ اور مختلف ثقافتوں اور نظام ہائے فکر کی مسلسل نشریات ـــــ ان سابقہ پابند معاشروں کے شہریوں کی آراء، اقدار، تصورات، اور ادراک کی تشکیل نو کر رہے ہیں۔ قدیم مسائل کو جدید تناظر میں دیکھنے سے لوگوں کو بہتر حل تلاش کرنے میں مدد ملے گی۔ وہ دنیا کے دوسرے حصوں میں اپنے ساتھی انسانوں کے تجربات سے فائدہ اٹھا سکیں گے۔

علاوہ ازیں عرب حکومتوں پر زبردست بین الاقوامی دباؤ ہے کہ وہ اپنے معاشروں پر سخت پابندیاں نرم کر دیں۔ عالمی بنک، یورپی یونین اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور دوسرے بین الاقوامی عوامل اپنی امداد کو منڈی کی اصلاحات سے مشروط کرتے ہیں۔ جن کے لیے زیادہ آزاد اقتصادی نظام کی ضرورت ہے۔ جس کی بنیاد پر قانون سازی کا مضبوط ڈھانچہ اور اطلاعات تک آزادانہ رسائی ہے۔ طویل مدت کے تناظر میں سماجی اور اقتصادی اصلاحات کو سیاسی آزادی سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ اس دباؤ کے نتیجہ میں بعض عرب ریاستوں خصوصاً مراکش، مصر، اردن اور لبنان نے زیادہ آزادانہ روش اختیار کی ہے اور تبدیلی کے حقیقی مواقع فراہم کیے گئے ہیں۔ اگرچہ لیبیا اور سعودی عرب جیسے دیگر ممالک پر بین الاقوامی دباؤ کا زیادہ اثر نہیں ہوا۔ اور وہ ابھی تک پابند معاشرے ہیں۔ تیونس اور فلسطین میں حکومتیں زیادہ آمرانہ روش اختیار کر رہی ہیں۔ یمن اور الجزائر اپنے معاشروں میں ہم آہنگی پیدا کر رہے ہیں اور اصلاحات کی کوشش کر رہے ہیں۔

شفافیت، احتساب، اشتراک و تعاون، حقوق نسواں اور انسانی و شہری حقوق کے احترام کے لیے حکومتوں پر داخلی طور پر دباؤ بڑھتا جا رہا ہے۔ عرب ممالک کے قومی اور علاقائی ایجنڈے، سیاسی سے

اقتصادی مسائل۔ مرکز مائل اصلاحات سے علاقائی اصلاحات انقلابی طرز عمل سے عملیت پسندانہ طرز عمل کی طرف منتقل ہورہے ہیں۔ عرب اسرائیل امن کی بحالی اور اس کی متوقع کامیابی، شرق اوسط میں عوامی مباحثہ کا موضوع، قومی سلامتی اور علاقائی سلامتی کے مسائل سے داخلی مسائل کی طرف منتقل کردے گی۔ جس سے سیاسی اصلاحات، انسانی حقوق اور کھلے معاشرہ جیسے مسائل کو نئی اہمیت حاصل ہوگی۔

اصلاحات کے عوامی مطالبہ پر توجہ دینا عرب حکمرانوں کی نئی نسل کے مفاد میں ہے۔ ان میں سے بعض نے نجی شعبہ کی تقویت، سرکاری سطح پر بدعنوانی کے خلاف جنگ، نوکر شاہی میں تخفیف، آزاد ادارہ کی حیثیت سے طاقتور عدلیہ، شہری معاشرہ کے استحکام کا اعلان اپنے ایجنڈوں میں کیا ہے اس بات کا فیصلہ تو ہوتا رہے گا کہ وہ اصلاحات جاری رکھ سکیں گے اور قدامت پسندوں کا مقابلہ کرسکیں گے، تاہم ابتدائی تبدیلیاں حوصلہ افزاء ہیں۔ مراکش، اردن اور بحرین کے نئے حکمرانوں کا سیاسی نقطہ نظر اپنے پیش رو حکمرانوں سے مختلف ہے۔ سیاسی قیدیوں کی رہائی، وسیع تر نمائندگی کا وعدہ اور سیاسی اور اقتصادی اصلاحات پر توجہ، عوامی مطالبات کا مثبت جواب ہے۔

مواقع اور مبارزت

سیاسی اصلاحات اور تبدیلی کے نئے دور کو سخت چیلنجوں کا سامنا ہے۔ عرب حکومتیں احتساب سے بالاتر مکمل اقتدار کے مزے لیتی رہی ہیں۔ وہ شہری معاشرہ کو شریک کار کی حیثیت سے قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔ وہ اپنے تحفظ، استحکام اور اقتدار اعلیٰ کے لیے جدوجہد کررہی ہیں۔ حکمران داخلی اور بین الاقوامی حمایت حاصل کرنے کے لیے عدم استحکام کے خوف اور تیز تر اصلاحات کے نام پر اپیل کرتے ہیں۔ وہ حزب اختلاف کے خلاف اپنے سخت اقدامات کو درست ثابت کرنے کے لیے شہری آزادیوں اور علاقائی استحکام کو درپیش سیاسی اسلام کے خطرہ کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں۔ وہ گروہ جو سماجی زندگی میں اسلام کے عظیم تر کردار پر یقین رکھتے ہیں تمام عرب ممالک میں مقبول ہیں۔ ان کی مقبولیت کی وجہ ان کے پروگرام سے عوام کی ہمدردی سے کہیں زیادہ عرب حکومتوں کی بدعنوانی کے خلاف غم وغصہ ہے۔ سرکاری پریس انقلابی اور متشدد گروہوں کی زیادہ سے زیادہ تشہیر کرتے ہیں اور سیاسی اسلام کو دشمن قرار دیتے ہیں۔

اس طرح اپنے تمام غیر جمہوری اقدامات اور اسلامی تنظیموں کے سماجی اور سیاسی عمل سے اخراج کو جائز ثابت کرتے ہیں۔ ان کا یہ طرزِعمل اسلامی گروپوں کو متشدد بناتا ہے اور اُن کے طرزِعمل میں انقلابیت پیدا کرتا ہے۔ صرف اردن اور مراکش دو ایسے ملک ہیں جنہوں نے اسلام پسندوں کو اپنے سیاسی عمل میں شامل کیا ہے اور انہیں آزادیٔ اظہار کا حق دیا ہے۔

اگرچہ اکثر حکومتیں اقتدار کے ہاتھوں سے نکل جانے کے خوف میں مبتلا ہیں اور شہری معاشرتی تنظیموں اور جمہوریت نواز گروپوں کو اپنے اپنے لیے خطرہ سمجھتی ہیں اور اُن کے اثر ورسوخ کو کم کرنا چاہتی ہیں۔ انہیں اصلاحات کی ضرورت کا بھی احساس ہے۔ انہیں عالمی ماحول کی ان تبدیلیوں کا بھی احساس ہے جو انہیں اقتصادیات میں اصلاحات کرنے پر مجبور کریں گی اور معلومات کے بہاؤ پر قدغن لگانا ناممکن بنا دیں گی۔ اسی طرح شہری معاشرہ کی تنظیموں کے کام کرنے کے تمام مواقع پر پابندی عائد نہیں کرسکتی ہیں۔ فی الحال نجی شعبہ میں ابلاغ کے اداروں، آزاد مزدور تحریک اور پبلک پالیسی کے اداروں کو معمولی سی آزادی حاصل ہے۔ لیکن یہ محدود سی آزادی بھی جمہوری تحریک لیے حقیقی مواقع فراہم کرتی ہے۔ مزید برآں بہت سے ممالک میں مقررہ وقفوں کے بعد مقامی اور قومی الیکشن ہوتے رہتے ہیں، جو اپنے محدود دائرہ کار کے باوجود جمہوری عمل اور جمہوری قوتوں کو ایک جاندار آغاز مہیا کرتے ہیں۔

عرب دنیا میں فروغ جمہوریت کی جدوجہد کو لازماً مذہب کے غلط استعمال کا بھی مقابلہ کرنا ہے۔ اسلام شرق اوسط میں ایک بڑی سیاسی قوت رہے گا۔ اسے اکثر تمام سیاسی مسائل کے سادہ حل کی حیثیت سے پیش کیا جاتا ہے۔ معاشرتی زندگی میں اس کے مؤثر کردار سے متعلق صدیوں پرانے مباحثہ کو اس بات نے اور زیادہ پیچیدہ بنا دیا کہ اسلام کی کون سی تعبیر غالب ہو اور اس کے اقتدار کو کس طرح نافذ کیا جائے۔ اسلامی حکومت کی مختلف صورتیں ایران، سوڈان اور سعودی عرب میں اختیار کی گئی ہیں۔ اس خطہ میں آزاد خیال اور کثیر جہتی جمہوریت کے فروغ کی کوششوں کے لیے اس بات کا تعین کرنا ہوگا کہ ان لوگوں سے کیا معاملہ کیا جائے جن کے عقیدۂ اسلام کی بنیاد سیاسی انقلابیت پر ہے۔ اسلام کی بنیادی تعلیمات حکمرانی کے عام اصول اور ضابطہ کو جداری مہیا کرتی ہیں۔ لیکن جدید معاشروں اور ریاستوں کے لیے قوانین فراہم نہیں کرتی ہیں۔ مزید برآں سیاسی اسلام ایک متفقہ چیز نہیں ہے۔ اس بات پر اتفاق رائے نہیں پایا جاتا

ہے کہ جدید زندگی میں اسلامی تعلیمات کا اطلاق کس طرح ہو۔ اگر اسلامی اتحاد برسراقتدار آ جاتے ہیں اور لوگ شریعت کے تحت زندگی گزارنے کے حق میں رائے دیتے ہیں تو پھر بھی انہیں قانون سازی، عدلیہ اور انتظامیہ کو چلانے کی ذمہ داری آزاد عوامی اداروں کو سونپنا پڑے گی۔ شرقِ اوسط کے مصلحین مستقبل میں پیش آنے والے اس عظیم کام کی قدر و جسامت سے آگاہ ہیں۔ اگرچہ آزاد خیال اسلام پسندوں کی ابھرتی ہوئی کوششوں کو معاشروں کے اندر اور خارجی دنیا دونوں کی طرف سے چیلنج کیا جا رہا ہے جو تزویراتی اہمیت کے اس خطہ میں فروغ جمہوریت کے عمل کو عدم استحکام پیدا کرنے والی قوت قرار دیتے ہیں۔ اسلام کی آزاد خیال تعبیریں آہستہ آہستہ لیکن یقینی طور پر مقبول ہو رہی ہیں۔

عرب دنیا میں فروغ جمہوریت کے عمل کی راہ میں رکاوٹوں کو اہمیت نہ دینا احمقانہ بات ہے لیکن اکیسویں صدی میں قدم رکھتے ہوئے یہ بات بھی اتنی ہی اہم ہے کہ سماجی اور اقتصادی ترقی، اطلاعاتی انقلاب اور عرب شہری معاشرہ کی نشوونما سے جنم لینے والی اُن قوتوں کو نظر انداز نہ کیا جائے جو جمہوری ترقی کے لیے سازگار ہیں۔

الیتھ کیوبا نیشنل اینڈومنٹ فار ڈیمو کریسی میں مشرقِ وسطیٰ کے لیے سینئر پروگرام آفیسر ہیں۔ آپ نے یونیورسٹی آف بغداد سے بیچلرز ڈگری اور یونیورسٹی آف ویلز سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی ہے۔ الخوئی فاؤنڈیشن لندن کے ڈائریکٹر رہے ہیں اور اسلام ۲۱ پراجیکٹ کے بانی ہیں۔ آپ متعدد عراقی جمہوری تنظیموں میں فعال کردار اد کرتے رہے ہیں۔